فیّاض ناروی

’’جاسوسی دنیا‘‘ کا خالق

’’جاسوسی دنیا‘‘ اور ’’عمران سیریز‘‘ کے خالق ابنِ صفی نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنی عملی زندگی کا آغاز بہ حیثیت استاد کیا تھا۔ ان کے بہت سے شاگرد پاکستان بھر میں اور خصوصاً کراچی میں آج بھی مل جائیں گے۔ استاد تو پھر استاد ہی ہوتا ہے، کہیں بھی ہو، اسکول میں، گھر میں یا سفر میں، وہ یہ نہیں بھولتا کہ وہ ایک استاد ہے۔ بچوں میں گمراہی کے آثار نظر آئیں تو ٹوکنا اور پھر انھیں راہِ راست دکھانا، وہ اپنا فرض مانتا ہے۔

بات تو بیتے دنوں کی ہے۔ چالیس کی دہائی میں اسرار بھائی یعنی ابن صفی یا اسرار ناروی جو چاہیں انھیں کہہ لیجئے ’’امتیاز منزل‘‘ رائے بریلی اپنی سسرال آئے تھے۔ ان کی پہلی شادی قصبہ سلون کے ایک بڑے زمیندار حافظ اخلاق احمد کی صاحبزادی فرحت جہاں سے ہوئی تھی۔ میں ان دنوں پانچویں یا چھٹی جماعت کا طالب علم تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مشاعرے بہت منعقد ہوتے تھے۔ رائے بریلی میں دور دور سے شعراء آتے تھے۔ اکثر مشہور شعراء کے بڑے بڑے بال ہوتے تھے۔ مجھے بھی شاعر بننے کا شوق تھا۔ شعر تو کوئی بھی موزوں نہ کرسکا البتہ بڑے بڑے بال رکھ لئے تھے۔ اسرار بھائی نے مجھے دیکھا تو پوچھا ’’تمھارے گھر میں کوئی بڑا آئینہ ہے؟‘‘ میں فوراً ایک بڑا آئینہ لے کر آ گیا۔ کہنے لگے ’’اب اس میں اپنی شکل غور سے دیکھو، تم شاعر نہیں کارٹون نظر آتے ہو۔‘‘ میں نے اپنی شکل غور سے دیکھی، سیدھا حجام کی دکان پر پہنچا اور بال کٹوا دیئے۔ وہ نصیحت

ایسی یاد ہوگئی کہ آج بھی جب کوئی نوعمر لڑکا بڑے بالوں کے ساتھ نظر آتا ہے مجھے کارٹون ہی لگتا ہے۔

اسرار بھائی شاعر بہت اچھے تھے۔ ان کا ترنم بھی اتنا اچھا تھا کہ لوگ سن کر جھوم جھوم اٹھتے تھے۔ ایونگ کرسچین کالج الہ آباد میں فی البدیہہ شاعری کا ایک کل ہند مقابلہ (مشاعرہ) ہر سال ہوتا تھا۔ کچھ ایسا ہوا کہ تین سال لگاتار یہ مقابلہ ایک ہی خاندان کے طلبا جیتتے رہے۔ ایک سال مکین احسن کلیم (سابق چیف ایڈیٹر ''مشرق'')، دوسرے سال عزیز احمد (سابق ایڈیٹر ماہنامہ ''سیارہ'')، پھر تیسرے سال اسرار ناروی (ابن صفی) نے حاصل کیا تھا۔ اسرار بھائی کہتے تھے کہ علامہ نوح ناروی سے نسبت ہو تو اردو شعروسخن گھٹی میں پلایا جاتا ہے۔ جس مخمس نظم پر انھیں پہلا انعام ملا تھا اس کے ہر بند کا ٹیپ کا مصرع تھا:

''تم بھی تو وطن کی بیٹی ہو لِلّٰہ نہ روکو جانے دو''

طنز و مزاح لکھنے کے لئے انھوں نے اپنا قلمی نام طغرل فرغان پسند کیا تھا۔ پاکستان میں آرٹ پیپر پر شائع ہونے والے پہلے اردو ماہنامہ ''سیارہ'' کے مدیر عزیز احمد تھے۔ پہلے شمارے میں طغرل فرغان کا مضمون ''جینیئس کی پہچان'' شائع ہوا تو ادبی حلقوں میں طغرل فرغان کی تلاش شروع ہوگئی اور لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ اسرار ناروی اس میدان میں بھی کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ اپنے خوبصورت ترنم کی وجہ سے اکثر ایسے مجمعے میں بھی پکڑے جاتے تھے جہاں شعر سمجھنے والے بہت کم ہوتے۔ ایک بار ایک قصبے میں نوجوان لڑکیوں اور خواتین کے ایک ایسے ہی مجمعے میں پھنس گئے۔ انھوں نے ایک دو تین مختصر غزلیں سنائیں لیکن خواتین بار بار ''ایک اور ایک اور'' کا نعرہ لگاتی رہیں۔ وہ مسکرائے اور انھوں نے ایک ایسی ''غزل'' سنائی جس کے کسی ''شعر'' کے کوئی معنی نہیں تھے۔ ایک شعر مجھے اب بھی یاد ہے:

غوا سے چھپے غب غب جاناں سے چھپے ہم
رکھتے ہیں محبت کے خنادق میں قدم ہم

شاید کسی کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا ہو لیکن واہ واہ کی آوازیں گونجتی رہیں۔ ''ایک اور ایک اور'' سے تنگ آ کر اسرار بھائی بھاگ لئے۔

الٰہ آباد میں علی عباس حسینی صاحب ایک ماہنامہ ''نکہت'' نکالتے تھے۔ اسرار بھائی اس رسالے سے بھی منسلک تھے۔ حسن منزل میں الٰہ آباد کے شاعروں اور ادیبوں کا مجمع رہتا تھا۔ کبھی اردو زبان پر کہیں بحث ہو جائے، کسی شعر یا کسی لفظ پر اس انجمن میں اختلاف رائے ہو جائے تو اسرار بھائی نوح صاحب کے پاس پہنچ جاتے۔ نوح ناروی الٰہ آباد میں حسن منزل میں ہی رہتے تھے۔ اسرار بھائی واپس آتے اور نوح صاحب کا فیصلہ سنا دیتے جو سب کے لئے قابلِ قبول ہوتا۔ اسرار ناروی، نوح ناروی کے باقاعدہ شاگرد تو نہیں تھے لیکن علامہ نوح ان کے اشعار کی اکثر تعریف کرتے اور ان کا حوصلہ بڑھاتے تھے۔ جانشینِ داغ، نوح ناروی کے ہزاروں شاگرد تھے اور آج بھی ہیں لیکن کوئی بھی ان کا نام اس طرح زندہ نہ رکھ سکا جس طرح شاگردانِ داغ نے اپنے استاد کا نام زندہ جاوید بنا دیا۔ کاش اسرار ناروی، نوح صاحب کے باقاعدہ شاگرد بن گئے ہوتے اور باقاعدہ شاعری کرتے تو یہ خلا یقیناً پُر ہو گیا ہوتا!

ایک بار کسی نے ان سے کہا کہ آپ اتنے اچھے شعر کہتے ہیں، آپ باقاعدگی سے شعر کیوں نہیں کہتے؟ مشاعروں میں کیوں نہیں جاتے؟ انھوں نے جواب دیا، ''شاعری پیٹ تو نہیں بھر سکتی۔ نہ ہی میں نوح صاحب کی طرح کوئی جاگیردار ہوں۔''

۱۹۶۵ء کی جنگ کے زمانے میں بہت سے قومی نغمے لکھے گئے۔ ابن صفی نے ''آلھا اودھل'' کی طرز پر پوربی زبان میں ایک نظم لکھی جو بہت پسند کی گئی۔ نظم کا پہلا مصرع کچھ یوں تھا:

پاکستانی بڑے لڑیّا جن کی سہی نہ جائے مار

''نکہت'' کی انجمن میں بحث یہ تھی کہ اردو زبان میں جاسوسی کتابیں مقبول ہو سکتی ہیں یا نہیں۔ انگریزی کے جاسوسی ناولوں کے ترجمے اردو پڑھنے والوں میں مقبول نہیں ہو سکے تھے۔ تیرتھ رام فیروز پوری کے ناول شائع ہوتے تھے لیکن انھیں بھی قبولیتِ عام نہیں مل سکی تھی۔ اسرار

ناروی کہتے تھے، ''اس صنف میں بس کوئی اچھا لکھنے والا چاہئے۔ ہندوستان میں بسنے والوں کی نفسیات سے آگاہی چاہئے۔ کتابیں بکیں گی، لوگ پڑھیں گے اور پبلشر پیسے کمائیں گے۔''

کوئی پبلشر رِسک لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ علی عباس حسینی ایڈیٹر اور پبلشر ماہنامہ ''نکہت'' نے کہا، ''تو پھر اسرار تم یہ چیلنج قبول کرلو۔ کتابیں شائع کرنے کا رِسک میں لوں گا۔''

اسرار ناروی نے یہ چیلنج قبول کرلیا۔ بہت کم معاوضے پر انھوں نے ''جاسوسی دنیا'' کی پہلی کتاب لکھ دی۔ صرف الہ آباد میں ایک ہفتے میں سب کتابیں فروخت ہوگئیں۔ دوسرا ایڈیشن زیادہ تعداد میں شائع ہوا۔ دوسرے شہروں کو بھی بھیجا گیا۔ وہ بھی تیزی سے بک گیا۔ دور دور سے فرمائشیں آنے لگیں اور پھر ہر ماہ ابن صفی کی جاسوسی دنیا کے لئے پورے ہندوستان میں لوگ منتظر رہنے لگے۔ ابن صفی کو تو بہت کم پیسے ملتے تھے لیکن پبلشر حسینی صاحب کی آمدنی میں اضافہ ہوتا گیا۔

الہ آباد میں اسرار بھائی کی بہن کافی عرصہ بیمار رہ کر انتقال کر گئیں۔ پھر ان کی بیوی فرحت جہاں بیمار ہوئیں اور وہ بھی ساتھ چھوڑ گئیں۔ اس پریشانی کے عالم میں انھوں نے یہ شعر کہا:

اب تو دکھوں کی چھاؤں نے ہمدم اتنا بھیانک جنم لیا
کون کہے گا روتے روتے ہنس دینے والا ہوں میں

بیوی کے انتقال کے بعد ابن صفی بڑے افسردہ رہنے لگے۔ ان کی غزل کا یہ مقطع ان کی کیفیت کی عکاسی کرتا ہے:

شام کی مضمحل فضاؤں میں
ہائے اسرار تری تنہائی

ان کے والد صفی اللہ صاحب ۱۹۴۷ء میں کراچی آگئے تھے۔ ابن صفی بھی اپنی والدہ اور بہن کو لے کر ۱۹۵۲ء میں کراچی آگئے اور اپنی زندگی کا نیا سفر ایک بار پھر شروع کیا۔

ان کی دوسری شادی پہلی بیوی کی خالہ زاد بہن سلمیٰ خاتون سے ہوئی۔ سلمیٰ کے بڑے

بھائی مکین احسن کلیم روزنامہ ''مشرق'' کے چیف ایڈیٹر تھے اور ان کی بڑی بہن صفیہ صدیقی کے لندن سے افسانوں کے دو مجموعے ''پہلی نسل کا گناہ'' اور ''چاند'' شائع ہو چکے تھے۔ بہت پڑھے لکھے اور مذہبی خاندان کی سلمیٰ خاتون نے ابن صفی کی اس طرح دلجوئی کی کہ وہ دوبارہ تیزی سے لکھنے لگے۔

''جاسوسی دنیا'' کا مسودہ بذریعہ ڈاک الٰہ آباد بھیجتے جواب ہندوستان کی کئی دوسری زبانوں میں بھی شائع ہونے لگا تھا۔ پھر ''جاسوسی دنیا'' کراچی سے بھی شائع ہونے لگی۔ مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ کتابوں کی دکانوں پر لوگ ایڈوانس بکنگ کروانے لگے تھے۔ کرنل فریدی، کیپٹن حمید اور متعدد دوسرے کردار انھوں نے ایسے تخلیق کر دیئے ہیں اور انھیں اس طرح بیان کیا ہے کہ ایسے لوگ صرف تخیل میں ہی آ سکتے ہیں۔

ان کرداروں پر فلمیں بنانے کی تجاویز بھی آئیں لیکن فریدی اور حمید کے دو کردار جوان کتابوں میں تھے، پردۂ سیمیں پر کوئی تاثر پیش نہ کر سکتے تھے لہٰذا ابن صفی نے فلم کے لئے ظفر الملک اور جیمس کے کردار تخلیق کیئے اور ایک فلم تجرباتی طور پر بنائی۔

۱۹۵۴ء میں ابن صفی نے ''عمران سیریز'' بھی شروع کر دی۔ اس کتاب کی مقبولیت نے جاسوسی دنیا کے بھی تمام ریکارڈ توڑ دیئے۔ اب وہ ہر ماہ دو کتابیں تخلیق کرتے تھے۔ عمران اور ان کی ٹیم کے کارنامے بھی عوام میں بہت مقبول ہوئے۔ بہت سے نوجوان علی عمران بننے کے خواب دیکھتے تھے اور نوجوانوں میں یہ ایک کریز تھا۔ کام کی کثرت نے دماغ پر وہ بوجھ ڈالا کہ بیمار ہو گئے۔ ۵۲ برس کی عمر میں ۲۶ ر جولائی ۱۹۸۰ء کو کراچی میں انتقال کر گئے۔

بہت دنوں کی بات ہے جب چینیوں سے ملنا جلنا ہمارے ملک میں مشکوک جانا جاتا تھا، چینی سفارت خانے والے ایئرپورٹ آتے تھے اور ہماری ملاقات ان سے بہرحال ہوتی تھی۔ ایک دن میں نے چینی جیسمین چائے کی تعریف کی تو میرے گھر ہر ماہ چینی جیسمین سبز چائے کے ڈبوں کے تحفے آنے لگے اور میں انھیں قبول کرنے کا ''رِسک'' لیتا رہا۔ ایک دن اسرار بھائی

ہمارے گھر آئے تو انھیں جیسمین سبز چائے پیش کی تو اتنے خوش ہوئے کہ پھر اکثر جب وہ اپنی بہن سے ملنے ایف بی ایریا آتے تو ہمارے گھر ضرور آتے۔ ''فیاض میاں بس وہ جیسمین چائے پلوادو۔'' بڑی تعریف کرتے اور گپ شپ کرتے۔

جب ان کی بیماری زیادہ بڑھ گئی تو ڈاکٹر نے کہا کہ تبدیلی آب وہوا کے لئے شمالی علاقہ جات کی طرف چلے جاؤ۔ وہ جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ ایک دن میری بیوی نے پوچھا ''اسرار بھائی کیا سلمٰی ساتھ جا رہی ہیں؟'' جواب دیا، ''آب وہوا ساتھ لے جاؤں گا تو تبدیلیِ آب وہوا کیسے ہوگی؟'' مزاح کا یہ انداز ان کی کتابوں میں تو ملتا ہے لیکن روزمرہ زندگی میں بھی وہ ایسے خوبصورت جملے کہتے تھے۔

ان کی کتابوں کی مقبولیت دیکھ کر بہت سے جعلی لکھنے والے اپنے نام کے ساتھ ''صفی'' لکھ کر جاسوسی ناول شائع کرنے لگے۔ میں نے پوچھا کہ کیا جاسوسی کتابیں لکھنے کے لئے والد کا نام لکھنا ضروری ہوتا ہے۔ انھوں نے فرمایا، ''ہاں، لیکن اپنے والد کا نہیں، میرے والد کا نام۔''

آج بہت سے بڑے بڑے لکھنے والے ابن صفی کو اردو میں جاسوسی کتابوں کا امام مانتے ہیں لیکن ان کی زندگی میں ادب برائے زندگی کے علم برداروں نے بھی جاسوسی کتابوں کو ادب کا درجہ دینے سے ہمیشہ انکار کیا۔

ابراہیم جلیس لکھنے والوں کی دنیا میں ایک محترم نام ہے۔ ایک بار مرحوم ابراہیم جلیس نے اپنے کسی کالم میں جاسوسی کتابوں کا مذاق اڑایا تو ابن صفی نے کیپٹن جلیس نام کا ایک کردار تخلیق کر دیا جو انتہائی مضحکہ خیز اور نکما تھا۔ اسے لکھنے کا بھی شوق تھا۔ ایک جگہ انھوں نے لکھا کہ کیپٹن جلیس کا ایک دوست ان سے کہتا ہے، ''یار جلیس تمھارا دماغ اب بنجر ہو چکا ہے، اب لکھنا چھوڑ دو۔''

جناح کالج کراچی میں سالانہ فنکشن تھا۔ طلبا کی انجمن نے مولانا ماہر القادری، ابن صفی اور ابراہیم جلیس کو مدعو کیا تھا۔ ابن صفی نے مصروفیات کی بنا پر معذرت کر لی تھی۔ طلبا کی انجمن کے

صدر بھی پی آئی اے میں ملازم تھے۔ انھوں نے مجھ سے ذکر کیا تو انھیں لے کر میں ابن صفی کے پاس حاضر ہوا۔ ان کی مصروفیات بہت زیادہ تھیں ۔ ہر ماہ دو کتابیں لکھنا، پھر انھیں شائع کرانا۔ میں نے کہا کہ وہاں ابراہیم جلیس بھی آ رہے ہیں۔ کہنے لگے،''اچھا اگر وہ آ رہے ہیں تو میں ضرور آؤں گا۔''میں انھیں لے کر کالج پہنچا تو معلوم ہوا کہ جب جلیس صاحب کو ابن صفی کی آمد کا پتہ چلا تو وہ نہیں آئے۔ ابن صفی کی بڑی دلچسپ تقریر ہوئی۔ سول وجواب کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر لڑکوں اور لڑکیوں نے آٹو گراف کے لئے قطاریں بنا لیں۔ پورے فنکشن میں ابن صفی ہی چھائے رہے اور بیچارے مولانا ماہرالقادری کی جانب کسی کی توجہ ہی نہ رہی۔ مولانا سے جب تقریر کرنے کی درخواست کی گئی تو وہ خاصے برہم ہو چکے تھے۔ منتظمین نے بڑی مشکل سے انھیں تقریر کرنے کے لئے آمادہ کیا۔

ابن صفی کی تین بیٹیاں اور چار بیٹے ہیں۔ سب ہی بیٹے ماشاءاللہ لائق، فرماں بردار اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ بڑے بیٹے ڈاکٹر ایثار صفی نے اٹلی سے ایم ڈی کیا اور اب کراچی کے ایک بڑے اسپتال سے منسلک ہیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ نو برس اٹلی میں تبلیغ اسلام کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ابرار شکاگو (امریکہ) میں رہتے ہیں۔ ایک امریکی جہاز راں کمپنی میں چیف انجینئر ہیں۔ احمد صفی بھی امریکہ میں کمپیوٹر کے بڑے ادارے میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔ وہ شعر بھی کہتے ہیں۔ امریکہ اور کناڈا میں شائع ہونے والے اخبارات اور ماہناموں میں پابندی سے لکھتے ہیں۔ افتخار صفی، ریاض (سعودی عرب) میں کمپیوٹر انجینئر ہیں۔ احمد صفی کی کاوشوں سے انٹرنیٹ پر ابن صفی کے حالاتِ زندگی پر اٹھائیس صفحات موجود ہیں۔ ان کی تمام کتابوں کی فہرست بھی ہے اور ان پر لکھے گئے تنقیدی مضامین ہیں۔ اس کے علاوہ ابن صفی کی مترنم آواز میں کچھ اشعار بھی آپ سن سکتے ہیں۔ مشہور کالم نگار مرحوم انعام درانی نے لکھا تھا،''پاکستان میں ہر تکیے کے نیچے ابن صفی کی کتاب ہوتی ہے۔''اس سال بھی ابن صفی کی برسی پر انگریزی روزنامہ''ڈان''میں منظور حسین نے اپنے مضمون میں انھیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا،''برصغیر کے ادبی حلقوں میں ابن صفی کی

تحریروں کا اتنا اثر تھا کہ ان کے ناولوں کا بہت سی علاقائی زبانوں میں ترجمہ کیا جاتا تھا۔'' لاہور کے کالم نگار حسن نثار لکھتے ہیں، ''ابن صفی صاحب! آپ ان گنت دلوں اور دماغوں میں آج بھی زندہ ہیں اور اگر آپ نہ ہوتے تو شاید میرے اندر پڑھنے اور پھر لکھنے کا شوق پروان نہ چڑھتا۔'' حسن نثار نے ابن صفی کو اپنے فن کا امام لکھا ہے۔ انھوں نے یہ بھی سچ لکھا ہے کہ اگر وہ برطانیہ میں ہوتے تو انھیں ''سر'' کا خطاب ضرور ملا ہوتا۔

کاش وزارتِ اطلاعات میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے جو ابن صفی کے فن اور اردو زبان کی خدمت کے عوض انھیں بھی کوئی ''بعد از مرگ'' ایوارڈ دینے کی سفارش کرتے۔

☆☆☆

(روزنامہ ''ایکسپریس'' کراچی۔ یکم اگست ۲۰۰۰ء)